35

شعائر اللہ اور قومی شعائر کی حفاظت کے لئے تمہیں ہر وقت تیار رہنا چاہئے

(فرمودہ 23 اکتوبر 1942ء)

تشہد، تعوّذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

"دنیا میں دو قسم کی زبانیں بولی جاتی ہیں اور وہ دونوں زبانیں اپنی جگہ پر بہت بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان میں سے ایک زبان تو لفظی ہوتی ہے اور ایک زبان تمثیلی ہوتی ہے۔ اپنی اپنی جگہ پر ان دونوں کو اہمیت حاصل ہے اور در حقیقت ان دونوں زبانوں کے بغیر کوئی کام چل ہی نہیں سکتا۔ لفظی زبان کے متعلق تو سب ہی جانتے ہیں کہ اس کے بغیر گزارہ ممکن نہیں ہوتا، کوئی عربی میں کلام کرتا ہے، کوئی فارسی میں کلام کرتا ہے، کوئی اردو میں کلام کرتا ہے، کوئی انگریزی میں کلام کرتا ہے، کوئی جرمن میں کلام کرتا ہے اور کوئی فرانسیسی زبان میں کلام کرتا ہے اور اس طرح تمام لوگ اپنے اپنے مافی الضمیر کو الفاظ میں ادا کرتے ہیں مگر باوجود اس لفظی زبان کے ہر زبان کے آدمی تمثیلی زبان کے بھی محتاج ہوتے ہیں۔ کبھی یہ تمثیلی زبان اخفاء کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ جیسے دو آدمی باتیں کر رہے ہوتے ہیں اور ایک تیسرا آدمی ان دو میں سے ایک کے ساتھ کوئی ایسی بات کرنا چاہتا ہے جو وہ دوسروں سے چھپانا چاہتا ہے تو وہ اسے کسی اشارے سے اپنے مافی الضمیر سے اطلاع دے دیتا ہے مثلاً اگر ان دو میں سے ایک شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ جس کام کے لئے اسے بلایا جارہا ہے اس کا کسی اَور کو بھی علم ہو تو دوسرا آنے والا

آدمی پشت سے اسے اشارہ کر دیتا ہے جس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ ادھر چلو، ادھر کا اشارہ وہ اس طرف انگلیاں کر کے کر دیتا ہے اور چلو کا اشارہ وہ ہاتھ کو حرکت دے کر کر دیتا ہے۔ اب ہاتھ کو پیچھے کی طرف حرکت دینے کے معنے ہماری زبان میں یہ نہیں ہیں کہ پیچھے چلو مگر اس اشارہ سے وہ سمجھ جاتا ہے کہ پیچھے کی طرف ہاتھ کو حرکت دینے کے معنے یہ ہیں کہ چلو۔ اور جس طرف اشارہ کیا گیا ہے اس طرف اشارہ کرنے کے یہ معنے ہیں کہ ادھر چلو۔ اگر یہ زبان نہ ہوتی تو دوسرا شخص اخفاء سے کام نہ لے سکتا بلکہ اسے بلا کر لے جانا پڑتا، جس سے دوسرے کے دل میں شبہ پیدا ہوتا کہ اسے نہ معلوم کس غرض کے لئے بلایا گیا ہے۔ اسی طرح فوجوں میں یہ زبان کام آتی ہے۔ فوجوں میں جھنڈیوں کے اشارہ سے لوگ اپنا مطلب بیان کر دیتے ہیں۔ مختلف رنگ کی جھنڈیاں ہوتی ہیں اور مختلف تعداد اس کی حرکتوں کی مقرر ہوتی ہے۔ جن سے مختلف مطالب بیان کئے جاتے ہیں یا شیشے پر روشنی ڈال کر اس کی چمک سے اطلاع دے دیتے ہیں، اس چمک میں کوئی الفاظ نہیں ہوتے بلکہ انہوں نے بعض اشارے مقرر کئے ہوئے ہوتے ہیں کہ اتنی بار چمک کے یہ معنے ہیں۔ اس رخ کی چمک کے یہ معنے ہیں اور اُس رخ کی چمک کے یہ معنے ہیں۔ یہ ایک ضرورت ہے جو جنگ کی حالت میں بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے اور اس غرض کے لئے فوجوں کو خاص طور پر ٹریننگ دی جاتی ہے۔ یہی تصویری زبان ایک لیکچرار کے بھی کبھی کبھی کام آتی ہے، وہ تقریر کرتا ہے اور زوردار الفاظ اپنی تقریر میں لاتا ہے جس سے سامعین کو اپنے دلی خیالات سے واقف کرنا اس کا مقصود ہوتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی اس کے دل میں اتنا جوش پیدا ہوتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے الفاظ کے ذریعہ مَیں ان پر اتنا اثر نہیں ڈال سکتا جتنا لفظی زبان کے ساتھ تمثیلی زبان ملا کر اثر ڈال سکتا ہوں۔ چنانچہ اس غرض کے لئے وہ کسی وقت اپنے ہاتھ کو زور سے نیچے کی طرف جھٹک دیتا ہے۔ اب اس کا تقریر کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کو نیچے کی طرف جھٹک دینا بے کار نہیں ہوتا بلکہ اگر اچھا لیکچرار اچھے موقع پر اچھے طریق سے اس تمثیلی زبان کو اپنی لفظی زبان کی تائید میں استعمال کرتا ہے تو سامعین پر اس کا ضرور اثر ہوتا ہے اسی طرح وہ کبھی اپنے ہاتھ کو دائیں طرف جھٹکا دے دیتا ہے، کبھی بائیں طرف جھٹکا دے دیتا ہے اور یہ جھٹکے اس کی لفظی زبان میں زیادہ زور پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی زبان مذاہب

میں بھی استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً نماز کو ہی لے لو۔ اس میں لفظی زبان کے ساتھ تصویری زبان بھی شامل ہے۔ ہماری غرض نماز میں یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہم اپنی محبت اور اپنے عشق اور اپنے انکسار اور اپنے عجز کا اظہار کریں۔ زبان سے جو الفاظ ہم نکالتے ہیں وہ ان ساری باتوں کو ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ جب ہم اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ[1] کہتے ہیں تو یہ ہمارے اس سے تعلق کا اظہار ہوتا ہے کہ تُو ہی ہمارا رب ہے تُو ہی رحمان ہے بغیر مانگے اور طلب کئے تُو ہم پر اپنی نعمتیں نازل کرتا ہے، ہماری ضرورتیں تُو ہی پوری کرنے والا ہے۔ تُو جب فیصلہ کرتا ہے تو نہایت سچا اور صحیح ہوتا ہے پھر ہم اس کے حضور اپنے عجز اور انکسار کے اظہار کے لئے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ[2] کہتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر عجز کا اَور کیا اظہار ہو سکتا ہے کہ ہم کہتے ہیں ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔ پھر اپنی درخواستیں پیش کرنے کے لئے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ[3] سے زیادہ اَور کیا الفاظ ہو سکتے ہیں مگر جہاں ہم یہ الفاظ بیان کرتے ہیں وہاں ہم سینہ یا ناف پر ہاتھ بھی باندھتے ہیں جو ایک تصویری زبان ہے اور جس کے معنے یہ ہیں کہ ہم مؤدبانہ طور پر اور ملتجیانہ طور پر تیرے سامنے ایک سوالی کی حیثیت میں کھڑے ہیں۔ اسی طرح ہم جب ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہتے ہیں تو وہ بھی ایک تصویری زبان ہوتی ہے۔ ہم اپنے عمل سے اس وقت ظاہر کر رہے ہوتے ہیں کہ نماز کے علاوہ ہم کسی اَور طرف توجہ نہیں کر رہے۔ ہم اس وقت بالکل خاموش ہوتے ہیں۔ کوئی شخص ہم سے بات کرے تو ہم اس کو جواب نہیں دیتے مگر پھر بھی تصویری زبان میں ہم اپنا ہاتھ اٹھاتے ہیں جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اب ہم ساری دنیا سے قطع تعلق کر چکے ہیں، ہم رکوع میں اس کی تسبیح و تمجید کرتے اور اس کی عظمت بیان کرتے ہیں مگر ساتھ ہی تمثیلی زبان میں ہم جھک بھی جاتے ہیں۔ ہم سجدے میں جا کر خدا تعالیٰ کی تسبیح کرتے اور اس کی علو شان کا اقرار کرتے ہیں مگر ساتھ ہی تصویری زبان میں اس کے سامنے اپنا سر بھی رکھ دیتے ہیں ہم نہایت ہی لطیف الفاظ میں تشہد میں خدا تعالیٰ سے اپنے تعلق کا اظہار کرتے ہیں مگر ساتھ ہی تمثیلی زبان میں اس کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ غرض جو جو اغراض اور مقاصد ہم الفاظ میں بیان کرتے ہیں انہی کو ہم تمثیلی زبان

میں بھی بیان کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مذہب نے بھی تمثیلی زبان کی اہمیت اور اس کی عظمت کو تسلیم کیا ہے۔ دوسرے مذاہب میں بھی یہ بات اپنے اپنے رنگ میں پائی جاتی ہے بلکہ ہماری تمثلی زبان سے بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ عیسائیوں میں اس حد تک غلو کرتے ہیں کہ وہ ایک خاص مقام خاص شکل کا بناتے ہیں جہاں پادری کھڑا ہوتا ہے، وہاں شمعیں جلائی جاتی ہیں اور ان شمعوں کی تعداد مقرر ہوتی ہے کہ اتنی شمعیں جلائی جائیں اور وہ شمعیں ایسی ہوں۔ اسی طرح اَور کئی قسم کی تمثیلیں ہیں جن پر عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں میں عمل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہندوؤں کے مندروں میں ہوتا ہے۔ تو تمثیلی زبان کی ضرورت کو تمام مذاہب نے تسلیم کیا ہے۔ پھر ہم اللہ تعالیٰ کے کلام کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح لفظوں میں الہام نازل کرتا ہے اسی طرح وہ تمثیل میں بھی الہام نازل کرتا ہے۔ جس طرح وہ کسی بندے کو لفظوں میں کہہ دیتا ہے کہ مَیں تم کو علم بخشوں گا اسی طرح وہ کبھی تمثیلی زبان میں اس کو دودھ کا پیالہ دے دیتا ہے اور انسان رؤیا میں دیکھتا ہے کہ اسے کسی نے دودھ کا پیالہ دیا ہے اور وہ اس نے پی لیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس کو علم عطا فرمائے گا۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ کے سامنے ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے خواب کی حالت میں دودھ کا پیالہ ملنے کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اس سے مراد علم ہے۔[4] تو خواب میں اگر دودھ کا پیالہ کسی شخص کو ملے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اسے علم عطا فرمائے گا لیکن اسی مفہوم کو اگر لفظوں میں ادا کیا جائے تو الفاظ یہ بنیں گے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے مَیں تم کو علم بخشوں گا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کسی کو یوں بھی فرما دیتا ہے کہ تم نزلہ سے بیمار ہونے والے ہو اور کسی کو گدلا پانی دکھا دیتا ہے جس سے وہ کھیل رہا ہوتا ہے یا اس میں تیر رہا ہوتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اسے نزلہ یا نزلہ کی قسم کی کوئی اَور بیماری ہونے والی ہے جیسے انفلوئنزا ہے یا نمونیا ہے جس میں نزلہ اعضاء پر گرتا اور انسان کو بیمار کر دیتا ہے۔ اسی طرح وہ کسی کو کہہ دیتا ہے کہ تمہیں غم پہنچے گا اور کسی کو خواب میں چنے دکھا دیتا ہے یا کچا گوشت دکھا دیتا ہے یا بینگن دکھا دیتا ہے یا گنے دکھا دیتا ہے اور ان کی تعبیر یہ ہوتی ہے کہ کوئی غم پہنچنے والا ہے۔ اسی طرح کسی کو وہ یہ کہہ دیتا ہے کہ تمہارا بیٹا مرنے والا ہے اور کسی کو یہ دکھا دیتا ہے کہ

وہ ایک بکرا ذبح کر رہا ہے۔ غرض وہ کبھی لفظوں میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا اور کبھی تمثیلی زبان میں ان کو بیان کرتا ہے۔ ہم الفاظ میں سارے مسلمان یہ کہتے ہیں کہ ہم ایک خدا کے ماننے والے ہیں اور سارے کے سارے ایک نقطۂ مرکزی پر جمع ہیں مگر کبھی ہم اس بات کو تمثیلی زبان میں ادا کرتے ہیں جبکہ ہم حج کے لئے جاتے ہیں اور سارے ملکوں سے مسلمان خانہ کعبہ میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ یہ حج کے لئے تمام مسلمانوں کا اکٹھا ہونا کیا ہے۔ یہ تمثیلی زبان میں اس امر کا اقرار ہوتا ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان ایک ہیں۔ اسی طرح ہم مُنہ سے کہتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کے لئے سارے کام چھوڑنے کے لئے تیار ہیں لیکن ہم تمثیلی زبان میں بھی ایسا کرتے ہیں چنانچہ جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو تمام لوگ مسجد میں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جمعہ کے دن ارد گرد کے علاقہ کے لوگ جمعہ پڑھنے کے لئے ایک مسجد میں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ یہ مسجد میں مسلمانوں کا نماز کے لئے اکٹھا ہونا کیا ہے۔ یہ تمثیلی زبان میں اس امر کا اقرار ہوتا ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے لئے اپنے تمام کام کاج چھوڑنے کے لئے تیار ہیں۔ جب بھی اس کی طرف سے آواز آئے گی ہم فوراً اس پر لبیک کہتے ہوئے جمع ہو جائیں گے۔

یہ جو تمثیلی زبان کے اشارے ہوتے ہیں ان کا بھی اسی رنگ میں اعزاز کیا جاتا ہے جس رنگ میں لفظی کلام کا اعزاز کیا جاتا ہے۔ جس طرح ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم قرآن کریم کی وحی کا ادب اور احترام کریں اسی طرح ہمیں یہ بھی حکم ہے کہ ہم شعائر اللہ کا ادب اور احترام کریں۔ شعائر اللہ کیا ہیں؟ وہ درحقیقت ایک تمثیلی زبان ہیں۔ صفا اور مروہ ایک تمثیلی زبان ہیں، منیٰ ایک تمثیلی زبان ہے، مزدلفہ ایک تمثیلی زبان ہے۔ غرض یہ سب تمثیلی زبان ہیں۔ انبیاء کا وجود بھی اپنی ذات میں ایک تمثیلی زبان ہوتا ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اتحاد کا ایک نقطہ ہوتے ہیں۔ تو جہاں الفاظ کے احترام کا ہمیں حکم ہے وہاں خدا تعالیٰ کی تمثیلی زبان کے احترام کا بھی ہمیں حکم ہے۔ جس طرح ہمیں یہ حکم ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف کوئی جھوٹا کلام منسوب مت کرو۔ یہ مت کہو کہ خدا نے ہم کو یہ الہام کیا ہے حالانکہ خدا نے تم کو کوئی الہام نہ کیا ہو۔ اسی طرح ہمیں یہ بھی حکم ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف جھوٹے طور پر کوئی تمثیلی زبان بھی منسوب مت کرو اور یہ نہ کہو کہ خواب میں ہم نے گنے دیکھے ہیں یا چنے دیکھے ہیں

حالانکہ تم نے نہ گنے دیکھے ہوں، نہ چنے دیکھے ہوں۔ تو دونوں چیزوں کا ادب اور احترام کیا گیا ہے اس کا بھی اور اُس کا بھی۔ اس تمثیلی زبان کو بعض لوگوں نے اتنی عظمت دے دی ہے کہ وہ اس کی تعظیم خدا تعالیٰ کے برابر کرنے لگ گئے چنانچہ جیسے مذہب میں تمثیلی زبانیں ہوتی ہیں اسی طرح سیاسیات میں بھی تمثیلی زبانیں ہوتی ہیں۔ اور سیاسی تمثیلی زبان میں ہر قوم کا ایک جھنڈا ہوتا ہے جس کا ادب اور احترام کیا جاتا ہے۔ دنیا میں آج تک مختلف اقوام اپنے اپنے جھنڈے رکھتی چلی آئی ہیں اور وہ ان جھنڈوں کو خاص عزت اور عظمت دیتی ہیں یہاں تک کہ جو قربانی اپنی قوم کی معزز ترین اور محبوب ترین ہستی کے لئے کی جاتی ہے وہی قربانی وہ قومیں ان جھنڈوں کے لئے کرتی ہیں اور قوموں کے لئے یہ بات بڑی ذلت کا موجب سمجھی جاتی ہے اگر ان کا جھنڈا کوئی دشمن چھین کر لے جائے۔ وہ اس جھنڈے کو بچانے کے لئے اس سے زیادہ کوشش کرتی ہیں جتنی کوشش وہ اپنے آدمیوں کی جان بچانے کے لئے کرتی ہیں۔ حالانکہ آدمی تلوار چلاتے ہیں، توپ چلاتے ہیں، دفاع کرتے ہیں، دشمن سے لڑتے ہیں مگر باوجود اس کے کہ جھنڈا بے جان ہوتا ہے چونکہ تمثیلی زبان میں اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ یہ ہماری قوم کی عزت ہے اس لئے لوگ جھنڈے کے لئے آدمیوں کو جو کام کرنے والے ہوتے ہیں قربان کر دیتے ہیں اور اس کپڑے اور لکڑی کو بچانے کے لئے بیسیوں نہیں سینکڑوں جانیں قربان کر دیتے ہیں۔ پھر بعض قوموں نے تو اس قدر غلو کیا ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی توحید کو بھی اس پر قربان کر دیا ہے مثلاً ہندوستان میں ہی قومی جھنڈا لہرایا جاتا اور پھر اسے سلام کیا جاتا اور اس کے آگے جھکا جاتا ہے حالانکہ سلام جاندار چیزوں کو کیا جاتا ہے چنانچہ بعض دفعہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں اختلاف کا ایک موجب یہ بات بھی ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں میں سے جو موحّد ہیں وہ کہتے ہیں ہم جھنڈے کو سلام کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس پر ہندو ناراض ہوتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ان کے دلوں میں اپنی قوم کی محبت نہیں حالانکہ مومن اسی حد تک اپنے تعلقات رکھ سکتا ہے جس حد تک خدا تعالیٰ نے ان تعلقات کے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ وہ ملک کی خاطر یا قوم کی خاطر خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے باہر نہیں جاسکتا۔ غرض جھنڈے کو سلام کرنے کی غرض انہوں نے یہی رکھی ہے کہ لوگ اس سے وہ انتہاء درجہ کی محبت کریں جو محبت

وہ اپنے مذہب سے کرتے ہیں اور اس کے لئے انہوں نے اپنی ہمسایہ قوم سے لڑائی کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا کیونکہ وہ چاہتے ہیں، چاہے مسلمانوں سے لڑائی ہو جائے جھنڈے کا سلام ضرور قائم کر دیا جائے۔ یوروپین قوموں میں یہ رواج پایا جاتا ہے کہ وہ جھنڈے کو دیکھ کر اپنا سر ننگا کر دیتے ہیں اور بعض لوگ جھنڈے کے آگے جھک جاتے ہیں حالانکہ سوائے خدا کے اَور کسی کے آگے اعزازی جھکنا جائز نہیں۔ یہ سب باتیں مشرکانہ ہیں اور ایک مسلم ان میں سے کوئی بات بھی اختیار نہیں کر سکتا۔ مگر باوجود اس کے ہم اس امر سے انکار نہیں کر سکتے کہ تمثیلی زبان بہت بڑی اہمیت رکھنے والی چیز ہے اور تمثیلی زبان میں جن چیزوں کو عزت کا موجب سمجھا جائے ان کی حفاظت کرنا مذہب کے خلاف نہیں بلکہ مذہب کا ہی حصہ ہے۔ اب ایک مسجد کی اینٹیں ویسی ہی ہوتی ہیں جیسے کسی اَور مکان میں اینٹیں لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ ایک ہی بھٹے سے وہ اینٹیں آتی ہیں، ایک ہی آگ سے وہ پکی ہوئی ہوتی ہیں، ایک ہی چمنی نے ان کی دود کشی کی ہوئی ہوتی ہے، ایک ہی مستری نے وہ اینٹیں پتھوائی ہوتی ہیں جو بعض دفعہ ایک چوڑھا اور چمار بھی ہو سکتا ہے۔ پھر انہی اینٹوں سے ایک سکھ کا مکان بنتا ہے، ایک ہندو کا مکان بنتا ہے، ایک عیسائی کا مکان بنتا ہے، ایک مسلمان کا مکان بنتا ہے مگر کسی مکان کو کوئی خاص عظمت حاصل نہیں ہوتی لیکن انہی اینٹوں سے بنی ہوئی مسجد کے لئے مسلمان اپنی جانیں دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ مسجد تصویری زبان میں خدا تعالیٰ کی عبادت کا نشان ہوتی ہے حالانکہ ایک چوڑھے یا چمار نے وہ اینٹیں پاتھی ہوتی ہیں۔ ایک ہی قسم کا کوئلہ ان پر خرچ ہؤا ہوتا ہے، ایک ہی قسم کے آدمیوں نے جو بعض اوقات شرابی اور بدکار بھی ہو سکتے ہیں ان کو تیار کرنے میں حصہ لیا ہوتا ہے مگر جب وہ اینٹیں مسجد کو جا کر لگتی ہیں تو ان کو خاص عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جانے لگتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ اینٹیں اپنی ذات میں قابل عزت ہیں بلکہ اس لئے کہ ان اینٹوں سے مسجد بنتی ہے اور ان اینٹوں کے گرانے کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ مسجد گرائی جاتی ہے اور مسجد کے گرانے کے یہ معنے سمجھے جاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی بزرگ کے سامنے کوئی شخص اگر اس سے اونچی جگہ پر آ کر بیٹھ رہے تو سب لوگ اسے بے ادب اور گستاخ کہنے لگ جائیں گے یا باپ تو نیچے بیٹھا ہو اور بیٹا اوپر بیٹھ رہے

توسب لوگ کہیں گے یہ بڑا بے حیا اور بے شرم ہے، باپ نیچے بیٹھا ہوا ہے اور بیٹا اوپر بیٹھ گیا ہے حالانکہ عملی طور پر اس نے اپنے باپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہوتا۔ باپ اگر نیچے بیٹھا ہوتا ہے تو اپنی مرضی سے بیٹھا ہوتا ہے اور بیٹا اگر اوپر بیٹھ رہتا ہے تو اس لئے بیٹھتا ہے کہ اسے اوپر بیٹھنے سے آرام حاصل ہوتا ہے مگر تصویری زبان میں چونکہ اوپر اور نیچے کے معنے عزت اور ذلت یا اعلیٰ اور ادنیٰ کے سمجھے جاتے ہیں اس لئے باوجود اس کے کہ بیٹے کے اوپر بیٹھنے سے باپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا وہ اگر اوپر بیٹھ جاتا ہے تو سب لوگ اسے برا سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ تصویری زبان میں اوپر اور نیچے کا مفہوم اعلیٰ اور ادنیٰ کے معنوں میں سمجھا جاتا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس نے اپنے عمل سے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ مَیں اعلیٰ ہوں اور میرا باپ ادنیٰ ہے یا مَیں بڑا ہوں اور میرا باپ چھوٹا ہے۔ اسی تصویری زبان کے لحاظ سے جب کسی مسجد کو گرایا جاتا ہے تو یہ نہیں سمجھا جاتا کہ چند اینٹوں کو گرا دیا گیا ہے بلکہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ مسجد پر حملہ کر کے خدا تعالیٰ کی عبادت کو نقصان پہنچایا گیا ہے۔

مَیں نے ابھی جھنڈے کی مثال دی تھی اور مَیں نے بتایا تھا کہ قوموں میں جھنڈے کا بڑا ادب اور احترام کیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ دشمن سے اس کا جھنڈا چھیننے کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کی جاتی ہیں اور بعض دفعہ اپنا جھنڈا بچانے کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کی جاتی ہیں اور یہ شرک نہیں ہوتا بلکہ جیسے باپ کے سامنے اس کے بیٹے کا اوپر بیٹھنا سب لوگ ناجائز سمجھتے ہیں اس لئے کہ اس طرح تمثیلی زبان میں باپ کی ہتک ہوتی ہے، اسی طرح تمثیلی زبان میں چونکہ قوم کا جھنڈا چھینے جانے کے معنے اس کی عزت و آبرو کے خاک میں مل جانے کے ہیں۔ اس لئے قومیں اپنی جانیں قربان کر دیتی ہیں مگر یہ برداشت نہیں کر سکتیں کہ ان کا جھنڈا دشمن کے قبضہ میں چلا جائے۔

فرانس کا ایک مشہور واقعہ ہے اس جنگ میں نہیں بلکہ اس سے پہلے کی جنگ میں ایک دفعہ جرمن والوں نے فتح پائی اور فرانس کی حکومت نے جرمنی سے صلح کر لی۔ صلح کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو فوج آگے لڑ رہی ہے اس کا جھنڈا جرمنوں کے حوالے کر دیا جائے۔ جس وقت یہ اطلاع اس فوج کو پہنچی وہ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے اور انہوں نے

کہا ہم یہ نہیں کر سکتے کہ اپنا جھنڈا دشمنوں کے حوالے کر دیں۔ صلح کرنی اَور بات ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنا جھنڈا اپنے ہاتھ سے دشمن کے حوالے کر دیا جائے۔ افسروں نے کہا ہم اس بارہ میں کیا کر سکتے ہیں۔ یہ ہماری حکومت کا فیصلہ ہے اور اب لازماً ہمیں لڑائی چھوڑنی پڑے گی مگر اس بات میں ہم بھی تم سے متفق ہیں کہ اپنا جھنڈا دشمن کو دے دینا ایسی ذلت ہے جس سے بڑی اَور کوئی ذلت نہیں مگر طے شدہ شرائط میں سے کسی شرط کو توڑ دینے کے یہ معنی تھے کہ پھر لڑائی مول لے لی جائے اور یا پھر دشمنوں کی طرف سے کوئی اَور بھاری سزا قبول کی جائے چنانچہ وہ سب حیران تھے کہ کیا کریں، اتنے میں ایک کرنیل اٹھا۔ اس نے اپنے جھنڈے کو اتارا اور قریب ہی کھانا پکانے کے لئے آگ جل رہی تھی اس میں وہ جھنڈا اس نے ڈال دیا اور پھر آگ میں جھنڈا ڈالنے کے بعد چیخیں مار کر رونے لگ گیا۔ جھنڈا جلانے کے معنی یہ تھے کہ ہم نے اپنی قوم کا جھنڈا دشمن کے ہاتھ میں نہیں جانے دیا اور اس کے رونے کے یہ معنی تھے کہ مجھے اپنے ہاتھ سے اپنی قوم کا جھنڈا تلف کرنا پڑا۔ گویا اس نے دونوں کام کر لئے اپنے خیال میں اس نے اپنی قوم کی عزت کو بھی بچالیا اور پھر اپنے ہاتھ سے اپنی قوم کا جھنڈا تلف کرنے پر اس نے اپنے درد کا بھی اظہار کر دیا۔ وہ ایک فوجی افسر تھا اور فوجی افسر کے لئے آنسو بہانا بھی برا سمجھا جاتا ہے مگر وہ اس وقت چیخیں مار کر رونے لگ گیا۔ بظاہر ایک انسان حیران ہوتا ہے کہ یہ کیسی عجیب بات ہے۔ ایک سمجھدار اور عقلمند انسان تھوڑے سے کپڑے اور لکڑی کے ضائع ہونے پر رو رہا ہے مگر جب کسی قوم کے افراد کے دلوں میں اس کے جھنڈے کی عظمت قائم کر دی جاتی ہے تو وہ انہیں اس بات کے لئے تیار کر دیتی ہے کہ اگر اپنے جھنڈے کی حفاظت کے لئے انہیں اپنی جانیں بھی قربان کرنی پڑیں تو بلا دریغ جانیں قربان کر دیں کیونکہ اس وقت تھوڑی سی لکڑی اور کپڑے کا سوال نہیں ہوتا بلکہ قوم کی عزت کا سوال ہوتا ہے جو تمثیلی زبان میں ایک جھنڈے کی صورت میں ان کے سامنے موجود ہوتا ہے۔ مَیں نے کئی دفعہ پہلے بھی بیان کیا ہے کہ ہمیں صحابہؓ میں بھی اس قسم کی مثال نظر آتی ہے۔ ایک جنگ میں ایک مسلمان افسر کے پاس اسلامی جھنڈا تھا وہ لوگ شاندار جھنڈے نہیں بنایا کرتے تھے بلکہ ایک معمولی سی لکڑی پر کالا کپڑا باندھ لیتے تھے مگر چاہے وہ کالا کپڑا ہوتا، چاہے اس جھنڈے کی معمولی لکڑی

ہوتی، اس وقت سوال قوم کی عزت کا ہوا کرتا تھا۔ یہ نہیں دیکھا جاتا تھا کہ جھنڈا قیمتی ہے یا معمولی بلکہ وہاں صرف اس بات کو ملحوظ رکھا جاتا تھا کہ قوم کی عزت اس بات میں ہے کہ اس جھنڈے کی حفاظت کی جائے۔ بہرحال اس لڑائی میں عیسائیوں نے جن کے خلاف جنگ ہو رہی تھی خاص طور پر اس جگہ حملہ کیا جہاں مسلمانوں کا جھنڈا تھا۔ حضرت جعفرؓ کے پاس یہ جھنڈا تھا اور یہ جنگ جنگ موتہ تھی۔ انہوں نے جب حملہ کیا تو حضرت جعفرؓ کا ایک ہاتھ کٹ گیا، انہوں نے جھٹ اس جھنڈے کو دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ جب دشمن نے دیکھا کہ جھنڈا پھر بھی نیچا نہیں ہوا تو اس نے دوبارہ حملہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا وہ دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا جس میں انہوں نے جھنڈا اٹھا ما ہوا تھا۔ انہوں نے فوراً جھنڈے کو دونوں لاتوں سے پکڑ لیا۔[5] چونکہ لاتوں سے زیادہ دیر تک جھنڈا پکڑا نہیں جا سکتا تھا اس لئے انہوں نے زور سے آواز دی کہ کوئی مسلمان آگے آئے اور اس جھنڈے کو پکڑے اور انہوں نے کہا مسلمانو! دیکھنا اسلام کا جھنڈا نیچا نہ ہو۔ اب تھا وہ کپڑے کا یا معمولی لکڑی کا جھنڈا مگر اس کا نام انہوں نے اسلام کا جھنڈا رکھا کہ گو ہے تو وہ لکڑی کا، ہے تو وہ معمولی سے کپڑے کا مگر بہرحال اسلام کا جھنڈا ہے اس لئے اس کی حفاظت ضروری ہے۔ چنانچہ ایک اَور افسر نے آگے بڑھ کر اس جھنڈے کو پکڑ لیا۔ میرا خیال ہے کہ غالباً وہ حضرت خالد بن ولید تھے جنہوں نے وہ جھنڈا پکڑا۔[6]

تو دیکھو ایک کپڑے کی چیز ہے، معمولی لکڑی کی چیز ہے اور اسلام کے نزدیک اس کپڑے یا لکڑی کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں مگر جس حد تک قومی اعزاز کا سوال ہے، اسلام اس سے منع نہیں کرتا۔ انہوں نے کہا یہ اسلام کا جھنڈا ہے دیکھنا یہ گرنے نہ پائے اور رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بھی ان کی اس بات کو ناپسند نہیں کیا بلکہ بعض دفعہ خود رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایسی چیزوں کی عظمت قائم کرنے کے لئے فرما دیا کرتے تھے کہ یہ جھنڈا کون شخص لے گا۔ چنانچہ بعض لڑائیوں میں آپ نے فرمایا کہ مَیں جھنڈا اس شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو اس کی عزت کو قائم کرے گا اور صحابہؓ ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر اس جھنڈے کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اسی طرح ایک دفعہ آپ ایک تلوار لائے اور فرمایا یہ تلوار مَیں اس شخص کو دوں گا جو اس کا حق ادا کرے گا۔ کئی لوگوں نے اپنے آپ کو اس کے لئے پیش کیا مگر

آپ نے ان میں سے کسی کو نہ دی۔ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ آ گئے اور رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے وہ تلوار ان کو دے دی اور آپ نے فرمایا علیؓ! مَیں امید کرتا ہوں کہ تم اس تلوار کا حق ادا کرو گے۔[7] چنانچہ جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا حق ادا کر دیا اور ایسے طور پر جنگ میں حصہ لیا کہ دشمن کو شکست ہو گئی۔

رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اس سنت کی پیروی میں ہم نے بھی اپنی جماعت کا ایک جھنڈا بنایا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں خدام الاحمدیہ کا ایک جلسہ ہؤا تھا اس جلسہ میں باہر کی جماعتوں کی طرف سے بھی لوگ آئے تھے۔ اس میں ایک ایسے واقعہ کا مجھے علم ہؤا جو ایک حد تک میرے لئے خوشی کا موجب ہؤا اور مَیں سمجھتا ہوں جس نوجوان سے یہ واقعہ ہؤا ہے وہ اس قابل ہے کہ اس کی تعریف کی جائے۔ اس لئے مَیں یہ واقعہ اپنے خطبہ میں بیان کر دیتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ لاہور کے خدام جب جلسہ میں شمولیت کے لئے آ رہے تھے تو اس وقت جبکہ ریل سٹیشن سے نکل چکی تھی اور کافی تیز ہو گئی تھی ایک لڑکے سے جس کے پاس جھنڈا تھا ایک دوسرے خادم نے جھنڈا مانگا۔ وہ لڑکا جس نے اس وقت جھنڈا پکڑا ہؤا تھا ایک چھوٹا بچہ تھا۔ اس نے دوسرے کو جھنڈا دے دیا اور یہ سمجھ لیا کہ اس نے جھنڈا پکڑ لیا ہے مگر واقعہ یہ تھا کہ اس نے ابھی جھنڈے کو نہیں پکڑا تھا۔ اس قسم کے واقعات عام طور پر ہو جاتے ہیں۔ گھروں میں بعض دفعہ دوسرے کو کہا جاتا ہے کہ پیالی یا گلاس پکڑاؤ اور دوسرا برتن اٹھا کر دے دیتا ہے اور یہ خیال کر لیتا ہے کہ اس نے پیالی یا گلاس کو پکڑ لیا ہو گا مگر اس نے ابھی ہاتھ نہیں ڈالا ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ برتن گر جاتا ہے۔ اسی طرح جب اس سے جھنڈا مانگا گیا اور اس نے جھنڈا دوسرے کو دینے کے لئے آگے بڑھا دیا تو اس نے خیال کیا کہ دوسرے نے جھنڈا پکڑ لیا ہو گا مگر اس نے ابھی پکڑا نہیں تھا، نتیجہ یہ ہؤا کہ جھنڈا ریل سے باہر جا پڑا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ چھوٹا لڑکا جس کے ہاتھ سے جھنڈا گرا تھا فوراً نیچے کودنے لگا مگر وہ دوسرا لڑکا جس نے جھنڈا مانگا تھا اس نے اسے فوراً روک لیا اور خود نیچے چھلانگ لگا دی۔ لاہور کے خدام کہتے ہیں ہم نے اسے اوندھے گرے ہوئے دیکھ کر سمجھا کہ وہ مر گیا ہے مگر فوراً ہی اٹھا اور جھنڈے کو پکڑ لیا اور پھر ریل کے پیچھے دوڑ پڑا۔ ریل تو وہ کیا پکڑ سکتا تھا بعد میں کسی دوسری سواری میں بیٹھ کر اپنے

قافلہ سے آملا۔ مَیں سمجھتا ہوں اس کا یہ فعل نہایت ہی اچھا ہے اور اس قابل ہے کہ اس کی تعریف کی جائے۔ خدام الاحمدیہ نے اس کے لئے انعام مقرر کیا تھا اور تجویز کیا تھا کہ اسے ایک تمغہ دیا جائے مگر اس وقت یہ روایت میرے پاس غلط طور پر پہنچی تھی اس لئے مَیں نے وہ انعام اسے نہ دیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ صحیح بات یہ ہے کہ جھنڈا اس کے ہاتھ سے نہیں گرا تھا بلکہ دوسرے کے ہاتھ سے گرا تھا۔ پہلے مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ اسی کے ہاتھ سے جھنڈا گرا تھا۔ بہر حال یہ ایک نہایت ہی قابل تعریف فعل ہے۔ خدام الاحمدیہ سے ہمیشہ اس بات کا اقرار لیا جاتا ہے کہ وہ شعائر اللہ کا ادب اور احترام کریں گے۔ اسی طرح قومی شعائر کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ اس اقرار کو پورا کرنے میں لاہور کے اس نوجوان نے نمایاں حصہ لیا ہے اور مَیں اس کے اس فعل کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس نوجوان کا نام مرزا سعید احمد ہے اور اس کے والد کا نام مرزا شریف احمد ہے۔ بظاہر یہ سمجھا جائے گا کہ اس نوجوان نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا مگر جہاں قومی شعائر کی حفاظت کا سوال ہو وہاں اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی اور درحقیقت وہی لوگ عزت کے مستحق سمجھے جاتے ہیں جو اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ وہ لوگ جو اپنی جان کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں انہیں کی جانیں دنیا میں سب سے زیادہ سستی اور بے حیثیت سمجھی جاتی ہیں۔ آخر غلام قومیں کون ہوتی ہیں، وہی لوگ غلام بنتے ہیں جو اپنی جانوں کو قربان کرنے سے ڈرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم مر نہ جائیں۔ وہ ایک وقت کی موت قبول نہیں کرتے تو خدا تعالیٰ انہیں بعض دفعہ صدیوں کی موت دے دیتا ہے۔ غدر کا مشہور واقعہ ہے کہ انگریزوں نے ظفر شاہ☆ کی ایک بیوی پر اثر ڈالا ہوا تھا جو بادشاہ کو بہت پیاری تھی اور اس سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر تُو نے ہمارا ساتھ دیا تو ہم تیرے بیٹے کو بادشاہ بنا دیں گے۔ اس لڑائی میں ایک وقت انگریزی فوج نے ایک ایسی جگہ توپیں لگائیں جہاں سے قلعہ پر کامیاب حملہ کیا جا سکتا تھا۔ ان توپوں پر ایک ایسی جگہ سے زد پڑتی تھی جو ملکہ کے محل کے سامنے تھی اس جگہ توپیں لگا دی جاتیں تو انگریزی حملہ بیکار ہو جاتا تھا۔ انگریز سمجھتے تھے کہ اگر اس موقع پر شاہی قلعہ کے اس مقام سے گولہ باری کی گئی

☆ محمد بہادر شاہ ظفر (1775-1869ء) اردو جامع انسائیکلوپیڈیا

تو ان کے لئے فتح پانا بالکل ناممکن ہو جائے گا چنانچہ انہوں نے بیگم کو پیغام بھجوایا کہ جس طرح بھی ہو سکے یہاں سے توپ اٹھوا دو۔ اس نے بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ مَیں نے سنا ہے میرے محل کے سامنے توپ رکھی گئی ہے آپ اسے اٹھوا دیں ورنہ مَیں تو توپ کی آواز سے مر جاؤں گی۔ بادشاہ نے کہا یہ ایک فوجی سوال ہے اور اس تکلیف کو تمہیں برداشت کرنا چاہیے۔ اگر اس جگہ سے ہم انگریزوں پر گولہ باری نہیں کریں گے تو ہم کبھی فتح حاصل نہیں کر سکیں گے مگر وہ برابر اصرار کرتی رہی۔ آخر بادشاہ کے حکم سے فوجیوں نے توپ داغ دی، توپ کا داغنا ہی تھا کہ اس کی بیوی نے ہسٹیریا کا دَورہ بنالیا اور شور مچانے لگ گئی کہ ہائے مَیں مر گئی، ہائے مَیں مر گئی چونکہ بادشاہ بھی ایسا تھا جسے ملک اور قوم سے اتنی محبت نہیں تھی جتنی محبت اسے اپنی بیوی سے تھی اور اس کی طبیعت میں عیاشی پائی جاتی تھی۔ اس نے حکم دے دیا کہ میری بیوی کو تکلیف ہوتی ہے یہاں سے توپ اٹھالی جائے چنانچہ اسے اٹھالیا گیا مگر نتیجہ کیا ہوا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بیٹے نے بادشاہ تو کیا بننا تھا، شہزادہ بھی نہ بنا اور آخر فقیروں کی موت مرا اور پھر اس کے بعد وہ قوم قریباً ایک سو سال ہونے کو آیا کہ اب تک انگریزوں کی غلام چلی آتی ہے۔ اس عرصہ میں ہم نے اپنی آنکھوں سے دہلی میں بعض پانی پلانے والے اور بعض حقہ پلانے والے لوگ دیکھے جن کے متعلق لوگوں نے بتایا کہ یہ شاہی خاندان میں سے ہیں۔ اگر وہ لوگ اپنی جانوں کی کوئی قیمت نہ سمجھتے تو یہ ذلت اور رسوائی کا دن دیکھنا انہیں کیوں نصیب ہوتا۔ یہ تو اس بیگم کا فریب تھا کہ مَیں مرنے لگی ہوں لیکن فرض کرو اگر وہ مرنے بھی لگتی اور کسی دوسری جگہ توپ رکھنے سے اس کی جان بچ سکتی تو اس کا فرض تھا کہ وہ بادشاہ کو کہلا بھیجتی کہ بادشاہ تم مجھے مرنے دو تا کہ قوم اور ملک زندہ ہو کیونکہ وہی قومیں دنیا میں زندگی پاتی ہیں جو اپنی جان کو حقیر سمجھتی ہیں۔ جس قوم میں زندگی کی قیمت آگئی اس قوم کی زندگی کی کوئی قیمت نہیں رہتی مگر جو قوم موت کو معمولی بات سمجھتی ہے اس قوم کو ابدی حیات حاصل ہو جاتی ہے۔ درحقیقت حیات موت کے گلے ملنے سے ہی میسر آتی ہے۔ دنیا میں زندگی اور باعزت زندگی کا اَور کوئی ذریعہ نہیں سوائے اس کے کہ انسان موت کو قبول کر لے۔ جو لوگ موت قبول کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں ان کو اور ان کی اولادوں کو ہمیشہ کی زندگی حاصل ہو جاتی ہے مگر جو اپنے

لئے اور اپنی اولادوں کے لئے زندگی تلاش کرتے پھرتے ہیں ان کے پیچھے پیچھے ہر وقت موت دوڑتی رہتی ہے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے یہ عجیب قانون بنایا ہے کہ جن چیزوں کے پیچھے بھاگو وہ آگے آگے بھاگتی ہیں، جو شخص زندگی کے پیچھے بھاگتا ہے، زندگی اس کے آگے آگے بھاگتی ہے اور موت اسے آکر پکڑ لیتی ہے اور جو شخص موت کے پیچھے بھاگتا ہے، موت اس کے آگے آگے بھاگتی ہے اور زندگی اسے آکر پکڑ لیتی ہے۔ جو قومیں مال اور دولت کے پیچھے بھاگتی ہیں، دولت ان کے آگے آگے بھاگتی ہے اور جو لوگ اپنے مال اور دولت کو حقیر خیال کرنے لگ جاتے ہیں انہیں یہ دولت اتنی کثرت سے ملتی ہے کہ ان کے پیچھے پیچھے بھاگی پھرتی ہے۔ زمیندار ہر سال غلہ اپنے گھر سے نکالتا اور زمین میں جا کر پھینک آتا ہے۔ اس کا اپنے گھر سے غلہ نکال کر زمین میں ڈال آنا آخر کیا ہوتا ہے۔ اس غلے کو بظاہر ضائع اور تباہ کرنا ہی ہوتا ہے مگر پھر وہی غلہ اس کے پیچھے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے۔ اگر وہ اس غلے کو بچا کر رکھے تو کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ اسے اتنی کثرت سے غلہ مل سکتا ہے۔ اگر وہ کہے کہ مَیں اپنے دانوں کو کیوں زمین میں ڈالوں، معلوم نہیں اگلے سال غلہ پیدا ہو یا نہ ہو، یا کیا پتہ وہ سیلاب سے خراب ہو جائے یا پرندے آئیں اور اسے چُن چُن کر کھا جائیں اور اس طرح غلے کو اپنے گھر میں سنبھال کر رکھ لے تو اس کے گھر میں آئندہ سال کبھی غلہ نہیں آئے گا۔ ہاں جو زمیندار کھیتوں میں اپنے غلہ کو پھینک دے گا اور اس کے ضائع ہونے کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا اس کے گھر کثرت سے غلہ آجائے گا۔ تو وہی قومیں دنیا میں عزت حاصل کیا کرتی ہیں جو اپنی عزت کو قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتی ہیں اور وہی قومیں دنیا میں زندگی حاصل کیا کرتی ہیں جو اپنی زندگی کو قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتی ہیں۔ قربانی کے بغیر دنیا میں عزت اور نیک نامی حاصل کرنے کا اَور کوئی طریق نہیں۔ کہتے ہیں پرانے زمانہ میں ایک بادشاہ تھا۔ وہ ایک دفعہ کہیں جا رہا تھا کہ اس نے راستہ میں دیکھا ایک بڈھا ایک درخت لگا رہا تھا مگر وہ درخت ایسا تھا جو بیسیوں سال کے بعد پھل دیتا تھا۔ بادشاہ اسے دیکھ کر کہنے لگا بڈھے تمہاری عقل ماری گئی ہے تم اسّی نوّے سال کے ہو گئے ہو اگر تم اس سال نہ مرے تو اگلے سال مر جاؤ گے مگر تم درخت وہ لگا رہے ہو جو بیس پچیس سال کے بعد پھل دیتا ہے۔ یہ تم کیا کر رہے ہو۔ بڈھے نے کہا بادشاہ سلامت آپ

بادشاہ ہو کر کیسی غیر معقول بات کر رہے ہیں۔ ہمارے باپ دادا نے درخت لگائے اور ہم نے ان کے پھل کھائے۔ اب ہم درخت لگائیں گے اور ہماری اولادیں ان کا پھل کھائیں گی۔ اگر ہمارے باپ دادا یہ قربانی نہ کرتے اور وہ بھی یہی کہتے کہ ہم کیوں درخت لگائیں ہم انہیں کیوں پانی دیں، ہم کیوں ان کی نگہداشت کریں اور کیوں ان پر محنت کریں تو ہم ان درختوں کے پھل کہاں سے کھاتے۔ اسی طرح ہم اگر اس خیال میں رہیں گے کہ ہم نے تو مر جانا ہے۔ اب ہم نے درخت لگا کر کیا کرنا ہے تو ہماری اولادیں ان درختوں کا پھل کہاں سے کھائیں گی۔ بادشاہ کو اس بڈھے کی یہ بات بہت ہی پسند آئی اور اس کے مُنہ سے بے اختیار نکلا کہ زِہ یعنی تم نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے اور بادشاہ نے یہ حکم دیا ہوا تھا کہ جب مَیں کسی بات سے خوش ہو کر زِہ کہوں تو اسے فوراً دو ہزار درہم انعام دے دیئے جایا کریں۔ اس کے وزیر کے پاس ہمیشہ ایسی تھیلیاں رہتی تھیں جونہی بادشاہ نے کہا زِہ تو وزیر نے جھٹ دو ہزار درہم کی تھیلی اس بڈھے کے سامنے رکھ دی۔ بڈھے کے ہاتھ میں جب روپیہ آیا تو وہ کہنے لگا بادشاہ سلامت ابھی آپ طعنے دے رہے تھے کہ تُو نے اس درخت کا پھل تھوڑا کھانا ہے۔ تُو تو اس وقت تک مر جائے گا اور تیری اولادیں اس کا پھل کھائیں گی حالانکہ اگر میری اولادیں اس کا پھل کھاتیں تب بھی مَیں ہی اس کا پھل کھاتا مگر مَیں نے تو یہ درخت لگاتے لگاتے اس کا پھل کھا لیا۔ بادشاہ کے مُنہ سے پھر نکلا زِہ یعنی کیا ہی اچھی بات کہی ہے اور وزیر نے جھٹ ایک دوسری تھیلی دو ہزار درہم کی اس کے سامنے رکھ دی۔ پھر بڈھا کہنے لگا دیکھئے بادشاہ سلامت آپ کیا اعتراض کرتے تھے۔ لوگ تو درخت لگاتے ہیں اور کئی سال کے بعد جب اس کا پھل پیدا ہوتا ہے تو سال میں صرف ایک دفعہ اس کا پھل کھاتے ہیں مگر مَیں نے تو ایک گھنٹہ میں اس کا دو دفعہ پھل کھا لیا۔ بادشاہ کہنے لگا زِہ اور وزیر نے جھٹ ایک تیسری تھیلی دو ہزار درہم کی اس کے سامنے رکھ دی۔ پھر بادشاہ اپنے وزیر سے کہنے لگا چلو یہاں سے یہ بڈھا تو ہمیں لُوٹ لے گا۔ تو حق یہی ہے کہ قربانیاں ہی ہیں جو اچھا پھل لاتی ہیں۔ یہ ہے تو ایک لطیفہ مگر حقیقت یہی ہے کہ قربانی کرنے والے وقت سے بہت پہلے اپنی قربانی کا پھل کھا لیتے ہیں۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ انہیں ان کی قربانی کا پھل ملنے والا ہے مگر اللہ تعالیٰ جو عرش سے ان کی

قربانیوں کو دیکھتا ہے ان کو ان کا پھل کھلا دیتا ہے۔ مکہ میں جو لوگ قربانیاں کرتے رہے تھے کب ان کے وہم اور گمان میں بھی یہ بات آسکتی تھی کہ عنقریب وہ اس کا پھل کھالیں گے۔ وہ اسّی نوّے یا سَو آدمیوں کی جماعت جو ہر روز لوگوں کے ظلموں کے نیچے دبی ہوئی تھی جنہیں پتھروں پر گھسیٹا جاتا تھا، جنہیں کوڑے مارے جاتے تھے، جن میں سے بعض کو قتل بھی کر دیا جاتا تھا اور جنہیں آخر اپنا گھر بار چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر کے جانا پڑا کب وہ اس بات کا قیاس بھی کر سکتے تھے کہ ہم لوگ اپنی زندگی میں اپنی ان قربانیوں کا پھل کھالیں گے لیکن یہ اسّی نوّے یا سَو آدمیوں کی جماعت جسے تیرہ سال کفار نے ظلموں کا تختہ مشق بنائے رکھا مدینہ میں ابھی دو سال نہیں گزرے تھے کہ اس کے ہاتھوں سے اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا دشمن تہِ تیغ ہو گیا اور وہ جو روزانہ ان پر ظلم کرتے اَور انہیں قسم قسم کے دکھ پہنچایا کرتے تھے ان کا نام ونشان تک مٹ گیا۔ بدر کی جنگ میں جو کچھ ہوا مکہ کی زندگی میں مسلمانوں کا وہم اور خیال بھی اس طرف نہیں جا سکتا تھا پھر ابو جہل کے متعلق ان میں سے کوئی شخص یہ قیاس بھی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اس طرح لڑائی کے میدان میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارا جائے گا اور اسے مارنے والے مدینہ کے دو چھوٹے چھوٹے لڑکے ہوں گے۔ 8 مگر تیرہ سال ظلم سہنے کے بعد ایک چھوٹی سی جماعت میں اتنا جوش پیدا ہو گیا کہ انہوں نے اپنے دشمن کو تباہ وبرباد کر کے رکھ دیا اور وہی لوگ جو ذلیل سمجھے جاتے تھے دنیا میں عزت کے ساتھ دیکھے جانے لگے۔ اس کی آخر کیا وجہ تھی؟ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے قربانیاں کیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی قسم کی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہ کیا۔ وہ خدا کے نام کی عزت کے لئے مر گئے اور جب انہوں نے خدا کے نام کی عزت کے لئے مرنا قبول کر لیا تو خدا نے کہا اب مَیں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تمہیں ذلیل اور رسوا ہونے دوں۔ وہ سب کے سب کیا مرد اور کیا عورتیں اور کیا بچے خدا تعالیٰ کے دین کے لئے ہر قسم کی موت خوشی سے برداشت کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ انہوں نے کہا ہم خدا کے لئے ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں، ہم خدا کے لئے ہر قسم کی ذلت برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں، ہم خدا کے لئے ہر قسم کی موت برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ تب خدا نے کہا اب میری غیرت بھی برداشت نہیں کر سکتی کہ مَیں تمہیں

ذلت اور رسوائی سے مرنے دوں، مَیں تمہیں زندہ رکھوں گا اور عزت سے زندہ رکھوں گا۔ کیا ہی خوشی کا مقام ہوتا تھا ان کے لئے خدا تعالیٰ کی راہ میں کسی تکلیف کا برداشت کرنا اور کس مسرت سے وہ ان مصائب کو برداشت کیا کرتے تھے۔ اس کے لئے حضرت عثمانؓ بن مظعون کا ایک واقعہ نہایت ہی دردناک اور ایمان افروز ہے۔ مَیں نے یہ واقعہ پہلے بھی کئی دفعہ سنایا ہے۔ جو اس امر کو واضح کرتا ہے کہ وہ لوگ خدا تعالیٰ کی راہ میں کس خوشی سے تکالیف برداشت کیا کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون ایک بہت بڑے رئیس کے لڑکے تھے۔ ان کا باپ بچپن میں فوت ہو گیا تھا اور وہ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ مسلمان ہو گئے مکہ میں جس طرح اَور مسلمانوں پر ظلم کئے جاتے تھے اسی طرح عثمانؓ بن مظعون کو بھی مختلف مظالم کا تختہ مشق بنایا جاتا تھا۔ آخر ایک دفعہ انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چلے جائیں چنانچہ وہ اس ارادہ سے جا رہے تھے کہ انہیں ایک رئیس نے دیکھ لیا جو ان کے باپ کا دوست تھا۔ اس نے ان سے پوچھا کہ عثمانؓ کہاں کی تیاریاں ہیں۔ انہوں نے کہا مکہ والوں کے ظلم سے تنگ آ کر مَیں حبشہ کی طرف ہجرت کر کے جا رہا ہوں۔ وہ رئیس چونکہ ان کے باپ کا دوست تھا اس لئے کہنے لگا عثمان مَیں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تُو مکہ چھوڑ کر چلا جائے۔ مَیں تیرے باپ کو کیا مُنہ دکھاؤں گا تُو آج سے میری پناہ میں آ جا تجھے مکہ والے کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے۔ عربوں میں دستور تھا کہ جب ان میں سے کوئی شخص کسی کو اپنی پناہ میں لے لیتا تو پھر اس پر کوئی شخص ہاتھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ عام طور پر دستور یہ تھا کہ خانۂ کعبہ کی مسجد میں جا کر اعلان کر دیا جاتا کہ مَیں فلاں کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ اس دستور کے مطابق وہ بھی خانہ کعبہ میں گیا اور اس نے اعلان کر دیا کہ عثمان آج سے میری پناہ میں ہے چنانچہ اس کے بعد وہ آرام سے زندگی بسر کرنے لگے اور کسی کو یہ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ ان پر ہاتھ اٹھائے۔ ایک دن وہ بازار میں سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے بعض غلام صحابہ کو دیکھا کہ ان کے پاؤں میں رسیاں بندھی ہوئی ہیں، لڑکے انہیں پتھروں پر گھسیٹ رہے ہیں، انہیں مارتے جا رہے ہیں اور کہتے ہیں تم کہو لات اور عزّٰی بھی اپنے اندر خدائی صفات رکھتے ہیں اور محمد (ﷺ) نَعُوْذُ بِاللّٰہ جھوٹے مگر وہ اس کے جواب میں یہی کہتے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ عثمانؓ نے جب ان کی یہ قربانی دیکھی تو اسی وقت واپس لوٹے اور اس رئیس سے جا کر کہنے لگے کہ اپنی پناہ واپس لے لو۔ اس نے کہا کیوں؟ کیا تمہارا دماغ پھر گیا ہے؟ مَیں نے اگر پناہ واپس لے لی تو تمہیں سخت تکلیف پہنچے گی۔ وہ کہنے لگے ہاں یہ مجھے معلوم ہے مگر مَیں نے آج اپنے بھائیوں کو اس اس طرح مظالم کا شکار ہوتے دیکھا ہے اور میری غیرت اس امر کو برداشت نہیں کر سکتی کہ مَیں تو تمہاری پناہ میں رہوں اور وہ لوگ تکلیف اٹھائیں۔ جو اُن کا حال ہے وہی مَیں اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے پھر خانہ کعبہ کی مسجد میں جا کر اعلان کر دیا کہ اے لوگو! مَیں نے عثمان سے اپنی پناہ واپس لے لی ہے۔ اب مَیں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ کچھ دنوں کے بعد حج کا موسم آیا اور عرب میں یہ قاعدہ تھا کہ حج کے موقع پر مکہ میں بڑے بڑے خطیب اور شعراء اکٹھے ہوتے، جو لیکچر دیتے اور اشعار سناتے۔ عرب کے ایک مشہور شاعر لبیدؓ گزرے ہیں جنہوں نے بعد میں اسلام بھی قبول کر لیا تھا۔ وہ اس موقع پر ایک بہت بڑی مجلس میں اپنا قصیدہ سنا رہے تھے اور تمام رؤساء واہ وا کہہ رہے تھے۔ لبید اس زمانہ میں عرب کے سب سے بڑے شاعر سمجھے جاتے تھے۔ شعر سناتے سناتے انہوں نے ایک مصرع یہ پڑھا کہ۔

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٗ

یعنی سنو خدا تعالیٰ کے سوا دنیا کی سب چیزیں فانی ہیں۔ انہوں نے یہ مصرع پڑھا تو حضرت عثمانؓ کہنے لگے۔ واہ وا کیا اچھا مصرع کہا ہے۔ تم بالکل ٹھیک کہتے ہو کیونکہ اس مصرع میں توحید کا مضمون پایا جاتا تھا وہ تصدیق کرنے سے رک نہ سکے۔ لبید یہ سنتے ہی بگڑ گئے اور انہوں نے کہا اے مکہ کے لوگو! کیا تم میں اب کوئی ادب باقی نہیں رہا۔ مَیں بڑی عمر کا آدمی ہوں اسّی نوّے سال میری عمر ہو چکی ہے۔ سارا عرب میرے اشعار کو اپنے سر اور آنکھوں پر رکھتا ہے اور میرا کلام اپنے اندر ایسے محاسن اور حکمتیں رکھتا ہے کہ سب لوگ اس کی قدر کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں کیا تم سمجھتے ہو، میرے کلام کو درست قرار دینے کے لئے ایک انیس سالہ لڑکے کا داد دینا کوئی وقعت رکھتا ہے اور کیا وہ اگر میرے شعر کو درست قرار دے گا تو وہ درست ہو گا اور اگر وہ ٹھیک نہیں کہے گا تو وہ ٹھیک نہیں ہو گا۔ اس لڑکے کا میرے

اس مصرع کے متعلق یہ کہنا کہ یہ ٹھیک ہے یہ بھی میری ہتک ہے۔ میرے شعر اس چھوٹے سے لڑکے کی تصدیق کے محتاج نہیں ہیں۔ چنانچہ سب نے اسے ڈانٹنا شروع کیا کہ لڑکے آرام سے شعر سن، درمیان میں تُو کیوں بولتا ہے۔ وہ خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد پھر اس نے اگلا مصرع پڑھا کہ

وَ کُلُّ نَعِیْمٍ لَّا مُحَالَۃَ زَائِلٗ

اور ہر ایک نعمت یقیناً آخر تباہ ہو جائے گی۔ اب پھر عثمان بول پڑے اور کہنے لگے یہ بالکل جھوٹ ہے۔ جنت ہمیشہ قائم رہے گی۔ جو شخص عثمان کے ایک مصرع کو ٹھیک کہنے پر ناراض ہو گیا تھا، تم سمجھ سکتے ہو کہ جب اس کے دوسرے مصرع کو جھوٹ کہہ دیا گیا تو وہ کس قدر نارض ہوا ہو گا۔ اس نے شعر پڑھنے بند کر دیئے اور کہا مَیں اب کوئی شعر نہیں سناؤں گا۔ اب مکہ شریفوں کی جگہ نہیں رہا اور یہاں کسی کی عزت محفوظ نہیں۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ لوگوں میں جوش پیدا ہو گیا اور سب عثمان بن مظعون کو مارنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں اتنا مارا اتنا مارا کہ وہ لہولہان ہو گئے۔ اسی دوران میں ایک شخص نے زور سے ان کی ایک آنکھ پر گھونسہ مارا جس سے ان کی آنکھ کا ڈیلا نکل کر باہر آ گیا۔ اس مجلس میں وہ رئیس بھی موجود تھا جو حضرت عثمانؓ بن مظعون کے والد کا دوست تھا۔ ایک طرف اس پر اپنی قوم کا رعب تھا اور دوسری طرف اس کے اپنے ایک پرانے دوست یعنی عثمانؓ کے والد سے جو تعلقات تھے وہ اسے یاد آ گئے اور اس نے خیال کیا کہ عثمانؓ کا باپ اس سے کیسا حسن سلوک کیا کرتا تھا مگر آج اس کے بیٹے کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ اس شش و پنج کی حالت میں جیسے کسی کے نوکر بچے کو جب اس کے آقا کا کوئی لڑکا مارتا ہے تو ماں اپنے آقا کے لڑکے کو تو نہیں مار سکتی الٹا اپنے بچے کو مارتی ہے کہ تُو وہاں کیوں گیا تھا اور درحقیقت وہ محبت کی مار ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کے باپ کا وہ دوست غصہ سے کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا عثمانؓ مَیں نے نہیں کہا تھا کہ تُو میری پناہ میں سے نہ نکل۔ اب تھا تو وہ غصہ مگر اس کا موجب درحقیقت وہ محبت تھی جو اسے اس کے باپ سے تھی۔ مطلب یہ تھا کہ تُو میری پناہ سے نکلا تو آج مجھے بھی یہ دکھ دیکھنا پڑا کہ تیری ایک آنکھ نکل گئی۔ حضرت عثمانؓ نے آگے سے جواب دیا کہ چچا تم اس ایک آنکھ کا ذکر کرتے ہو میری تو اس راہ

میں دوسری آنکھ بھی نکلنے کے لئے تیار ہے۔ 9

یہ وہ قربانیاں تھیں جو خدا تعالیٰ کے لئے انہوں نے کیں اور پھر دو سال کے اندر اندر ان کی تلواروں کے نیچے ان کے دشمنوں کی گردنیں آ گئیں اور وہی سردار جو رسّیاں باندھ باندھ کر انہیں گلیوں میں گھسیٹا کرتے تھے ایسے ذلیل ہو گئے کہ جس کی کوئی حد ہی نہیں۔ آج لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے ظلم کئے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کفار نے اس سے سینکڑوں گنا زیادہ ان پر سختیاں کی تھیں۔ وہ صحابہؓ جو غلام کہلاتے تھے، ان کی ٹانگوں میں رسیاں باندھ باندھ کر انہیں گلیوں میں پتھروں پر گھسیٹا جاتا تھا اور انہیں اس قدر مارا اور پیٹا جاتا تھا کہ ان کا تمام جسم زخمی ہو جاتا تھا۔ اس زمانہ میں مکہ میں کچے مکان زیادہ تھے اور پکے کم تھے اور جہاں کچے مکان زیادہ ہوں وہاں گلیوں میں پانی کی رَو روکنے کے لئے ایک خاص قسم کے پتھر رکھ دئے جاتے ہیں جنہیں پنجابی میں کِھنگھر کہتے ہیں۔ قادیان میں بھی پہلے گلیوں میں اس قسم کے کِھنگھر ہوا کرتے تھے اور یہ کِھنگھر اس لئے رکھے جاتے ہیں تا کہ پانی سے مکانات کو نقصان نہ پہنچے۔ ان پتھروں پر خالی بیٹھنا بھی مشکل ہوتا ہے مگر صحابہؓ کو ان پر گھسیٹا جاتا تھا اور اس طرح ان کو انتہاء درجہ کی تکلیف پہنچائی جاتی تھی۔ ایک صحابی کہتے ہیں مَیں نے ایک دفعہ ایک دوسرے صحابی کی پیٹھ دیکھی تو مجھے ان کا چمڑا ایسا معلوم ہوا کہ گویا وہ آدمی کا چمڑا نہیں بلکہ کسی جانور کا چمڑا ہے۔ مَیں نے ان سے کہا کہ کیا آپ کو یہ کوئی بیماری ہے۔ وہ ہنس کر کہنے لگے یہ بیماری نہیں بلکہ ہمیں مکہ میں پتھروں پر گھسیٹا جاتا تھا جس کی وجہ سے پیٹھ کا چمڑا ایسا سخت ہو گیا۔ 10 مگر دیکھو پھر انہی غلام صحابہ کو خدا تعالیٰ نے کیسی عزت دی۔ جب انہوں نے خدا تعالیٰ کے لئے قربانیاں کیں۔ جب لوگ انہیں کہتے کہ تم شرک کرو اور وہ بلند آواز سے کہتے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، جب لوگ انہیں کہتے کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالیاں دو اور وہ کہتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ تو خدا تعالیٰ ان کی اس قربانی کو آسمان سے دیکھتا اور وہ اپنے فرشتوں سے کہتا کہ جاؤ اور دنیا میں میرے ان بندوں کی ہمیشہ کے لئے عزت قائم کر دو۔ چنانچہ پھر وہ دن آیا جب خدا نے ان کی عزت قائم کی اور مکہ کے رؤساء اور بڑے بڑے سرداروں کو ذلیل کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ اپنی خلافت کے زمانہ میں مکہ میں حج کے لئے گئے اور مکہ کے بڑے بڑے سرداروں اور رؤساء کے لڑکے جو اب سلام قبول کر چکے تھے حضرت عمرؓ کے ملنے کے لئے آئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کا مناسب احترام کیا اور ان سے باتیں شروع کر دیں۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ انہی غلاموں میں سے جو مکہ کی گلیوں میں پتھروں پر گھسیٹے جاتے تھے بعض صحابہؓ حضرت عمرؓ کی ملاقات کے لئے آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان نوجوانوں سے کہا ذرا پیچھے ہٹ جاؤ۔ وہ پیچھے ہٹ گئے۔ اتنے میں ایک دوسرا غلام آ گیا، پھر تیسرا غلام آ گیا اور پھر چوتھا غلام آ گیا۔ بہت سے غلام صحابہؓ اُس وقت مکہ میں جمع تھے اور سب ایک ایک کر کے حضرت عمرؓ کی ملاقات کے لئے آنے شروع ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر غلام کے آنے پر ان نوجوانوں سے کہتے کہ ذرا پیچھے ہٹ جاؤ یہاں تک کہ ہوتے ہوتے وہ جوتیوں تک جا پہنچے۔ یہ دیکھ کر وہ اُٹھ کر باہر چلے گئے اور انہوں نے باہر آ کر ایک دوسرے سے کہا دیکھا آج ہماری کیسی بے عزتی ہوئی ہے۔ وہ غلام جو کل تک ہمارے گھروں میں جھاڑو دیا کرتے تھے، جو ہمارا پانی بھرا کرتے تھے، جو ہمارے لئے گھاس کھود کر لایا کرتے تھے، جو ہمارے گھوڑوں کے لئے چارہ تیار کیا کرتے تھے آج بادشاہی دربار میں ان کو آگے بٹھایا گیا اور ہمیں ہر بار پیچھے ہٹا دیا گیا۔ مگر اب وہ ایمان لا چکے تھے اور اب شیطانی وساوس ان پر پورا غلبہ نہیں پا سکتے تھے۔ ان میں سے ایک نوجوان بولا اور اس نے کہا۔ اس میں کس کا قصور ہے؟ ہمارے اور ہمارے باپ دادوں کا یا حضرت عمرؓ کا؟ انہوں نے کہا قصور تو ہمارے باپ دادوں کا ہی ہے۔ اس نے کہا تو پھر اس میں شکوے کی کونسی بات ہے۔ انہوں نے کہا ہم شکوہ نہیں کرتے، ہم صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیا اس ذلت کو دور کرنے کا کوئی طریق نہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ چلو یہی بات حضرت عمرؓ سے دریافت کر لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ پھر سب کے سب حضرت عمرؓ کی مجلس میں گئے اور ان سے کہا کہ ہم آپ سے ایک بات دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ سمجھ گئے اور انہوں نے کہا مَیں امید کرتا ہوں کہ تم میرے آج کے سلوک سے بُرا نہیں مناؤ گے کیونکہ مَیں اس میں بالکل مجبور ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو محمد ﷺ کے دربار میں معزز سمجھے جاتے تھے اس لئے یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کے خادم کے دربار میں وہ

پیچھے رہیں۔ انہیں لازماً آگے بٹھایا جائے گا اور مجھ پر میرے آقا کی طرف سے جو ذمہ دواریاں ہیں ان کی وجہ سے مَیں اس بارہ میں بالکل مجبور ہوں۔ انہوں نے کہا ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا نے جو مظالم کئے تھے اس کے نتیجہ میں یہی کچھ ہونا چاہئے تھا مگر ہم آپ سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا اس ظلم اور تعدی کا ہماری جانوں کے لئے کوئی کفارہ نہیں؟ حضرت عمرؓ تھوڑی دیر خاموش رہے اس کے بعد آپ نے سر اٹھایا۔ اس وقت قیصر کی فوجوں سے اسلامی فوجوں کی جنگ ہو رہی تھی۔ آپ نے شام کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہاں ایک جنگ ہو رہی ہے تم اگر اس جنگ میں چلے جاؤ تو شاید ان گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ انہوں نے اسی وقت اپنی سواریاں کسیں اور سب کے سب اس جنگ میں شامل ہونے کے لئے چلے گئے اور تاریخ بتاتی ہے کہ وہ سب کے سب وہیں مارے گئے، واپس نہیں آئے۔ 11 تو دیکھو یہ عزت تھی جو خدا تعالیٰ نے ان کو ان کی قربانیوں کے بدلہ میں دی۔ اگر جس وقت بلالؓ اور مصعبؓ اور یاسر کو تپتی ہوئی ریت پر لٹایا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا تم کہو لات اور منات کی پرستش میں ہی عزت ہے۔ وہ کہہ دیتے کہ ہاں لات اور منات کی پرستش میں ہی عزت ہے۔ تو کیا تم سمجھتے ہو، انہیں یہ عزت حاصل ہو سکتی تھی۔ اسی طرح جس وقت انہیں پتھروں پر گھسیٹا جاتا تھا، انہیں مارا پیٹا جاتا تھا۔ اگر وہ اپنی جانوں کی پرواہ کرتے ہوئے کفار کی ہاں میں ہاں ملا دیتے اور جب انہیں کہا جاتا کہ کہو محمدؐ جھوٹا ہے تو وہ کہہ دیتے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نَعُوْذُ بِاللّٰہِ، جھوٹا ہے تو کیا تم سمجھتے ہو ان کو یہ عزت حاصل ہو سکتی تھی؟ بلالؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان پر مقرر کیا ہوا تھا وہ حبشی تھے اور اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہیں کہہ سکتے تھے بلکہ اَسْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے۔ بعض لوگ ہنستے کہ انہیں صحیح لفظ بھی ادا کرنا نہیں آتا۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اسی طرح بلالؓ کی اذان پر ہنستے ہوئے سنا تو فرمایا۔ خدا عرش پر بلالؓ کی اذان کی تعریف کرتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کو "ش" اور "س" سے کوئی غرض نہیں۔ خدا تعالیٰ تو ان پتھروں کو دیکھ رہا تھا جن پر بلالؓ کو گھسیٹا جاتا تھا مگر باوجود اس شدید تکلیف کے وہ یہی کہتے کہ اَسْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَسْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔ لوگوں کی نظروں سے وہ ریت کے ذرّے اوجھل تھے، لوگوں کی نظروں سے وہ ریت کے

ذرّے پوشیدہ تھے کیونکہ ریت کے بعض اور ذرّوں نے ان کو نگاہوں سے مخفی کر دیا تھا مگر خدا تعالیٰ کے سامنے وہ سرخ سرخ ذرّے موجود تھے جن کو بلالؓ کے خون نے سرخ کر دیا تھا۔ تو جو لوگ قومی اور ملّی مفاد کے لئے قربانی کرتے ہیں، خدا تعالیٰ ان کو کبھی ذلیل نہیں کرتا۔ جو شخص خدا کے لئے مرتا ہے وہ ہمیشہ کی زندگی پاتا ہے اور جو شخص خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے خدا تعالیٰ کے فرشتے اس سے کہتے ہیں مر اور ہمیشہ کے لئے مر مگر جہاں مَیں یہ کہتا ہوں وہاں مَیں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ایسے موقع پر یہ محبتیں کبھی کبھی شرک کا رنگ بھی اختیار کر لیا کرتی ہیں جیسے مَیں نے بتایا ہے کہ کانگرسی اپنے جھنڈے کو سلام کرتے ہیں اور بعض قومیں جھنڈے کے سامنے اسی طرح جھک جاتی ہیں جیسے رکوع کیا جاتا ہے۔ یہ سب ناجائز امور ہیں۔ پس جہاں تم شعائر اللہ کی حفاظت کرو اور قومی شعائر کا ادب اور احترام اپنے دل میں پیدا کرنے کی کوشش کرو، وہاں تم اس بات کو بھی یاد رکھو کہ ان چیزوں کو کبھی ایسا مقام مت دو کہ یہ زندہ خدا کی جگہ لے لیں۔

ہمارا خدا واحد خدا ہے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا جائز نہیں۔ پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ جن چیزوں کو ہم خادم سمجھتے ہیں ان کو آقا کی جگہ دے دیں۔ اس سے زیادہ بیوقوفی اور حماقت کی بات اَور کوئی نہیں ہو سکتی۔ پس جہاں مَیں تمہیں شعائر اللہ اور قومی شعائر کی حفاظت کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کی ہدایت کرتا ہوں اور تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جب خدا اور اس کے دین کے لئے تمہیں بلایا جائے اس وقت تم اپنی جانوں کی اتنی قیمت بھی نہ سمجھو جتنی ایک مری ہوئی مکھی ہوتی ہے۔ وہاں مَیں تمہیں یہ بھی نصیحت کرتا ہوں کہ کسی چیز کو خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں مت کھڑا کرو۔ ہمارا خدا ایک خدا ہے، اس کی قدرتوں میں کوئی شریک نہیں، اس کی حکومت میں کوئی شریک نہیں، اس کی عبادت میں کوئی شریک نہیں۔ جو شخص کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک قرار دیتا ہے، چاہے شریک قرار دیا جانے والا خدا تعالیٰ کا نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہو، وہ راندۂ درگاہ ہو جاتا ہے مگر جو تمام چیزوں کو اپنے اپنے مقام پر رکھتا ہے۔ خدا کو خدا کی جگہ دیتا ہے، رسول کو رسول کی جگہ دیتا ہے، شعائر کو شعائر کی جگہ دیتا ہے وہی خدا تعالیٰ کے حضور عزت پاتا ہے۔ اس دنیا میں بھی اور اگلے جہان میں بھی۔"

(الفضل 31 اکتوبر 1942ء)

1: الفاتحہ:2تا4 2: الفاتحہ:5 3: الفاتحہ:6: 7

4: بخاری کتاب التعبیر باب اللبن

5: السیرۃ الحلبیۃ جلد3 صفحہ 78۔ مطبوعہ مصر 1935ء

6: حضرت جعفرؓ سے جھنڈا حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے لیا اور جب وہ شہید ہوئے تو فوج کی کمان حضرت خالد بن ولید نے سنبھالی۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ موتۃ

7: مسلم کتاب فضائل الصحابۃ باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللّٰہ عنہ

8: بخاری کتاب المغازی باب قتل ابی جھل

9: اسد الغابۃ جلد3 صفحہ 385-386۔ مطبوعہ ریاض 1286ھ

10: الاستیعاب جلد2 صفحہ 21-22 مطبوعہ بیروت 1995ء

11: اسد الغابۃ جلد2 صفحہ 372۔ مطبوعہ ریاض 1285ھ